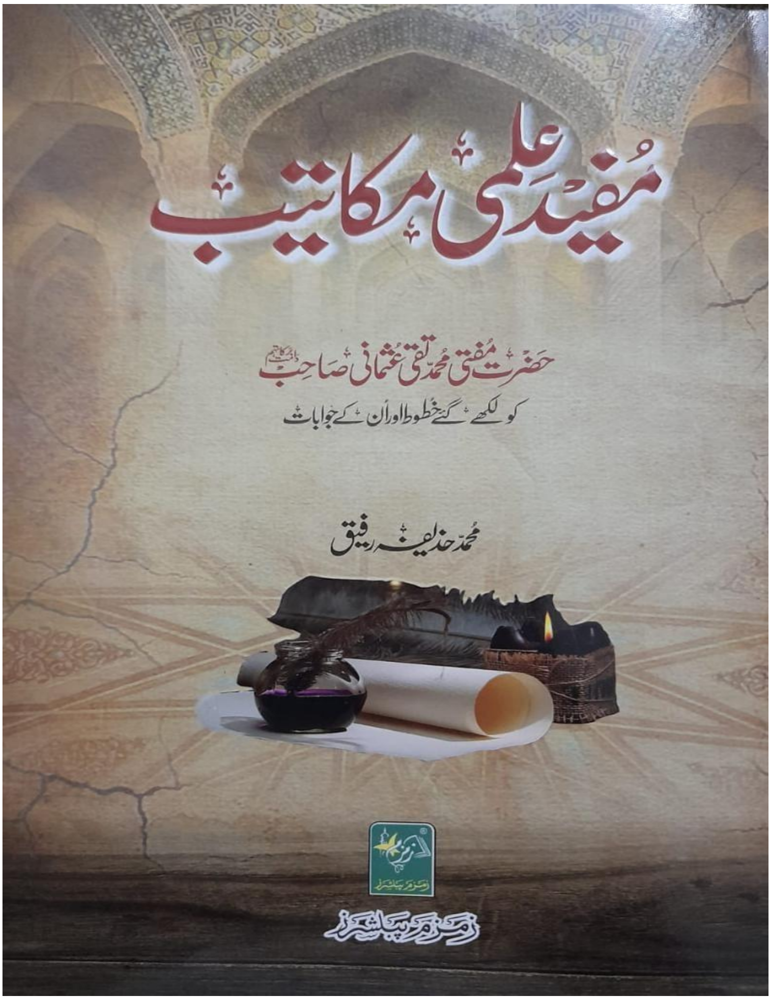
کتابچہ ”مُفید عِلمی مکاتیب“ چند گزارشات



مرتب

محمد محسن کمبوہ

فاضل و متخصص فی علوم الحدیث

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

کچھ ہی ایام قبل مکتبہ زمزم پبلشرز سے حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالی کے چند علمی مکاتیب بصورتِ کتابچہ شائع ہوے ہیں، مُرتّب صاحبِ مکتبہ مولانا رفیق زمزمی صاحب حفظہ اللہ کے صاحبزادے جناب مولانا محمد حذیفہ رفیق صاحب حفظہ اللہ ہیں، مکمل کتابچہ (۷۱) صفحات پر دیدہ زیب دورنگہ طباعت سے مزین ہے، اور باعتبار ترتیب (سیٹنگ) کے بھی کتابچہ جاذب نظر ہے، مزید یہ کہ حضرت مفتی صاحب کے بعض مختصر خطوط کے عکوسِ اصلیہ بھی ساتھ لگا کر کتابچہ کی رونق بڑھادی گئی ہے، بعد از مطالعہ کچھ گزارشات قلمبند کی گئی ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

گزارش(۱):

خط نمبر (۱) جس کا عنوان ہے «قومے کی دعا اور صلاۃ التسبیح» کے جواب میں حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ نے قومے میں «ربّنا لك الحمد» کے بعد «حمدًا كثيرًا طيبًا مباركًا فيه» کے اضافہ کی فضیلت سے متعلق **شیخ الہند رحمہ اللہ کا مقولہ کہ: "کلمہ کی فضیات تو بے شک ثابت ہے اور کبھی کبھی قومہ میں بھی کہہ لینا چاہیئے"** نقل کیا ہے، جو کہ کتابچہ کے (ص:۱۳) پر موجود ہے، حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ تعالی نے یہاں اس مقولہ کا حوالہ بھی ذکر نہیں فرمایا، مُرتّبِ کتابچہ گر حاشیہ میں اس مقولہ کا حوالہ بھی تلاش کر کے نقل کر دیتے تو اہلِ علم کے لیے مراجعت آسان ہوتی، ہم نے مفتی صاحب حفظہ اللہ کی تقریرِ بخاری

انعام الباری اور تقریر ترمذی درسِ ترمذی میں یہ متعلقہ جگہوں پر تلاش کیا پر ہمیں یہ مقولہ ان دونوں تقاریر میں متعلقہ جگہوں پر بھی نہیں ملا۔

گزارش(۲):

مذکورہ خط کے جواب میں ہی حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ نے قومے اور جلسے میں مسنون ذکر سے متعلق **حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا** مقولہ کہ: **''قومہ اور جلسہ میں جو اذکار وارد ہوئے ہیں، انہیں کہنا چاہئے، تاکہ یہ دونوں عمل اس تعدیل اور اطمینان کے ساتھ ادا ہوں جو مطلوب ہے''** نقل کیا ہے، جو کہ کتابچہ کے (ص:۱۳) پر موجود ہے، لیکن اس مقولہ کے حوالہ میں فتح الباری کا حوالہ ذکر کیا گیا ہے، جبکہ یہ بات فیض الباری کے متعلقہ مذکورہ باب میں موجود ہے، جس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ کمپوزنگ کی غلطی ہے جو کہ رہ گئی ہے۔

گزارش(۳):

خط نمبر (۳) جس کا عنوان ہے « نماز جنازہ میں ثنا کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنا » میں سائل نے سوال میں حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ کی تقریرِ بخاری شریف ''انعام الباری'' (۴/ ۵۰۰و۵۰۱) سے عبارت نقل کی ہے، جو کتابچہ کے (ص:۲۰) پر موجود ہے اور انعام الباری کی جلد نمبر کا ذکر شاید کتابت میں یا کمپوزنگ میں رہ گیا ہے، ہم نے ذکر کر دیا ہے کہ یہ جلد نمبر (۴) کے صفحات سے حوالہ نقل کیا گیا ہے۔

گزارش(۴):

اسی مذکورہ انعام الباری سے عبارت کے نقل میں غالباً مرتّب سائل یا پھر کمپوزر سے کچھ تسامح بھی ہوا ہے کہ عبارت کتابچہ میں جس انداز سے بین القوسین نقل ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انعام الباری ہی سے نقل کردہ کلام ہے، جبکہ بعد از مراجعت معلوم ہوا کہ بین القوسین کا یہ حصہ "لیکن سورۃ الفاتحہ کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں کہ یہ ثابت نہیں اس لیے نماز جنازہ میں اس کو پڑھ لینا چاہیئے" تو انعام الباری میں محوّلہ مقام پر کلیتاً موجود ہی نہیں، البتہ اوپر کا حصہ مِنۡ وعَنۡ موجود ہے، لیکن یہ جملہ ہمیں عمومی اعتبار سے بھی درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس کے ثبوت کا ذکر تو امت کے طبقہ کثیر میں سے حنفی علماء و محدثین خود کر رہے ہیں جیسے علامہ عینی و طحاوی رحمہا اللہ، البتہ ہر ثابت شدہ چیز کا ترجیحی اعتبار سے قابلِ عمل ہونا بھی ضروری ہو یہ لازم نہیں ہے۔

گزارش(۵):

اسی خط میں سائل نے انعام الباری سے جنازے کی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق جو عبارت نقل کی ہے اسے سرسری طور پر دیکھنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ نے عمدۃ القاری میں سات سے آٹھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین سے منقول مرفوع روایات کی بنیاد پر یہ ذاتی موقف اختیار کیا ہے کہ "صحیح بات یہ ہے کہ فاتحۃ الکتاب پڑھنا احادیث مرفوعہ سے ثابت ہے، اور جو بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ دعا کی نیت سے پڑھ لے تلاوت کی نیت سے نہ پڑھے اس کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے"، لیکن جب انعام

الباری (۴/ ۵۰۰) کی طرف مراجعت کی گئی تو وہاں اختیار کردہ طرزِ تحشیہ (کہ وہاں مکمل موقفِ مذکورہ ذکر کرنے کے بعد حاشیہ لگاکر عمدۃ القاری کا حوالہ ذکر کیا گیا ہے) سے یوں محسوس ہوا کہ یہ اوپر ذکر کیا گیا مفتی صاحب حفظہ اللہ کا ذاتی موقف نہیں ہے بلکہ یہ موقف تو علامہ عینی رحمہ اللہ کا اختیار کردہ ہے، جبکہ ایسا بالکل نہیں ہے، علامہ عینی رحمہ اللہ نے «باب قراءۃ فاتحۃ الکتاب علی الجنازۃ» کے شروع ہی میں صحابہ وتابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت سے جنازہ میں قرأت قرآن کے نہ ہونے کا موقف نقل کیا ہے، اور پھر درمیان میں وہ سات یا آٹھ احادیث مرفوعہ جنازہ میں قرأت سے متعلق لائے ہیں، اور پھر اخیر میں آکر خود وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ میں نے اوّل باب میں ہی جنازہ میں عدم قرأت صحابہ وتابعین کی ایک جماعت سے نقل کی ہے، اور پھر احناف کا مستدل روایت'' عن ابن مسعود: لم يوقت فيها النبي صلى الله عليه وسلم قولًا ولا قراءةً'' صراحت سے ذکر کرکے نظرِ طحاوی رحمہ اللہ کو لائے ہیں، اور امام طحاوی رحمہ اللہ کی جانب سے ہی پھر اثبات قرأت عن الصحابۃ کی توجیہ بطور دعا نقل کر کے بات کو ختم کردیا ہے، وہاں ایسا کوئی کلام نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر یہ کہا جائے کہ یہ مذکورہ موقفِ مفتی صاحب حفظہ اللہ موقفِ عینی رحمہ اللہ بھی ہے، اور نہ ہی وہاں علامہ عینی رحمہ اللہ کی طرف سے بنیتِ دعا پڑھنے والی توجیہ (جو کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے کی ہے) پر کوئی ردّ وقدح ہے۔

مزید یہ کہ یہاں تو مفتی صاحب حفظہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ''اور جو بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ دعا کی نیت سے پڑھ لے تلاوت کی نیت سے نہ پڑھے اس کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے'' جبکہ مفتی صاحب حفظہ اللہ کی تقریر ترمذی بنام درس ترمذی

میں فتاوی عالمگیری سے اسی مسئلہ میں اس کی وجہ ودلیل بھی نقل کی گئی ہے، لکھتے ہیں کہ:

”عالمگیریہ میں یہ تفصیل لکھی ہے کہ اگر نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ بنیّت دعا پڑھ لی جائے تو کوئی حرج نہیں، البتہ قرائت کی نیت سے جائز نہیں اس لیے کہ وہ قرأت کا محل نہیں“۔[1]

یہاں دیکھا جا سکتا ہے کہ یہاں پر اس وجہ یا دلیل کے دلیل یا وجہ نہ ہونے پر کوئی ردوقدح بھی نہیں کی گئی ہے۔

(جنازہ میں قرأتِ فاتحہ سے متعلق احادیثِ مرفوعہ کس درجہ کی ہیں؟)

جاننا چاہیے کہ اس باب میں احادیثِ مرفوعہ جن میں حضور علیہ السلام سے قرأت فاتحہ کا نماز جنازہ میں حکم یا خود جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کرنا منقول ہے، تو اس بارے دار العلوم دیوبند کے استاذ مفتی محمد راشد اعظمی صاحب اپنے رسالے ”نماز جنازہ میں قرأت فاتحہ دلائل شرعیہ کی روشنی میں“[2] عنوان ”دوسرے فریق کے دلائل اور ان کا جائزہ“ کے تحت چھ احادیث مرفوعہ باحوالہ ذکر کرنے کے بعد صراحت سے لکھا ہے کہ:

”یہ جملہ مرفوع روایات ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی ضعف سے خالی نہیں ہے، اسی وجہ سے علامہ ابن قیم اور دوسرے محققین کا فیصلہ ہے کہ

---

١) درس ترمذی، باب ماجاء فی القراءۃ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب، (٣/٣٠٤)، ط/ مکتبہ دار العلوم کراچی ١٤٣١ھ۔

٢) (ص:١٠ تا١٣)، ط/ شعبہ تحفظ سنت دار العلوم دیوبند۔

جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا کسی بھی مرفوع روایت سے ثابت نہیں ہے۔(زاد المعاد (۱/ ۵۰۵) ولمعات بحوالہ حاشیہ مشکاۃ (۱/ ۱۴۵)۔

اس سلسلے میں انصاف کی بات یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا نماز جنازہ میں اگرچہ واجب تو نہیں لیکن اس کے پڑھنے کے جواز اور اجازت کا انکار نہیں کیا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا بھی ثابت ہے، جو صرف جواز بیان کرنے کے لیے بطور ثناء اور بطور دعاء کے پڑھی گئی ہے''۔

رسالہ مذکورہ (جو کہ مہتمم دار العلوم دیوبند مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی صاحب حفظہ اللہ کی تصدیق کے ساتھ شائع ہوا ہے) کی عبارت سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان مرفوعات کو بنیاد بنا کر جنازہ میں سُنّیتِ فاتحہ کا قول اختیار کرنا کسی مضبوط بنیاد پر قائم نہیں ہے۔

نوٹ:

مفتی محمد راشد اعظمی صاحب نے یہاں پر ابن قیم رحمہ اللہ کی زاد المعاد کا حوالہ جو حاشیہ مشکاۃ کے حوالے سے دیا ہے وہ ہمیں مشکاۃ کے مشہور نسخہ قدیمی کے حاشیہ میں متعلقہ مقام پر نہیں ملا، شاید کہ مفتی راشد صاحب نے کسی خاص حاشیہ سے حوالہ دیا ہے، البتہ ابن قیم رحمہ اللہ کی بھی جو بات نقل فرمائی ہے وہ بھی صرف مفہوم ہے ابن قیم رحمہ اللہ کی عبارت کا، ابن قیم رحمہ اللہ کی عبارت کو قدرے تشریح و تفصیل کے ساتھ حضرت مفتی محمد ولی درویش صاحب

رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے جسے ہم یہاں نقل کیے دیتے ہیں، فرماتے ہیں کہ:

"علامہ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "ويذكر عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه أمر أن يقرأ على الجنازة بفاتحة الكتاب ولا يصح اسناده". (زاد المعاد، (١/ ٥٠٤).

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے، حالانکہ اس کی سند صحیح نہیں ہے۔

آگے مزید لکھتے ہیں: "ومقصود الصلاة على الجنازة هو الدعاء للميت لذلك حفظ عن النبي صلى الله عليه وسلم ونقل عنه ما لم ينقل من قراءة الفاتحة اه". (زاد المعاد ،(١/ ٥٠٥).

یعنی نماز جنازہ کا مقصد صرف میت کے لیے دعا ہے، اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، سورۂ فاتحہ کا پڑھنا منقول نہیں ہے"۔ (۳)

گزارش(۶):

اسی خط میں سائل نے پھر اپنی جانب سے جنازہ سے متعلق مختصر رسالہ مرتب کرنے کے ارادے کا اظہار کرتے ہوئے مفتی صاحب حفظہ اللہ سے

۳) کتاب "کیا نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت ہے؟" (ص: ۸۰ و ۸۱)، طبع درج نہیں۔

استفسار کیا ہے کہ رسالہ میں جنازہ میں سورہ فاتحہ کے پڑھنے سے متعلق یہ چیزیں لکھی جاسکتی ہیں:

''(۱) جنازہ کی پہلی تکبیر کے بعد ثناء کے ساتھ ساتھ سورلاہ فاتحہ بھی پڑھ لینی چاہیے، یہ سنت ہے۔

(۲) اور اسی طرح کیا عوام الناس کو بھی بطور تعلیم یہ بات بتائی جاسکتی ہے ؟۔

(میر امقصو د صرف یہ ہے کہ ایک صحیح سنت جو کہ ہمارے درمیان متروک ہے، اس کا احیاء ہو جائے)''۔

سائل کے یہ دو سوالات اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ سائل اس مجتہد فیہ و مختلف فیہ مسئلہ [۴] میں عوامی سطح کے مختصر سے رسالے میں یہ باتیں لکھ کر احیاء سنت کے نام پر نکیر کی جو راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں وہ امت کو اسی راہ پر لے جائے گی جس پر غیر مقلد احباب گامزن ہیں کہ حنفیہ تو سنت کے تارک ہیں ہم سنت کو زندہ کرنے والے ہیں، اور مزید یہ کہ ان دو نکات کو لکھ کر یہ بھی کھلے الفاظ میں باور کرایا جائے گا کہ اب تک کے جمہور حنفی علماء و محدثین نے جو اسے سنت نہیں سمجھا تو وہ ان کا تسامح تھا، ہم پر بخلافِ جمہور احناف اس کا سنت ہونا ثابت ہو چکا ہے تو اس لیے ہم اس سنتِ متروکہ کی ترغیبی مہم بھی تحریری انداز میں بغیر ذکرِ اختلاف کے چلا رہے ہیں، یقیناً یہ عمل کسی طرح بھی قابل مدح نہیں

---

۴) یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے اس کی صراحت تو ابن حجر رحمہ اللہ نے خود فرمائی ہے کہ: "وهي من المسائل المختلف فيها" . دیکھئے: فتح الباری، باب قراءة فاتحة الكتاب على الجنازة، (۳/۲۰۳)، ط/ دار المعرفة بیروت، ۱۳۷۹ھ۔

ہو گا، جبکہ یہ ایک مجتہد فیہ مسئلہ ہے اور اس بارے حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ کی عدم شدت والی رائے مرتّبِ موصوف نے خط نمبر (۶) کے جواب میں نقل کی ہے جس سے یہی سمجھ آتا ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں اس قدر شدت نہ ہونی چاہیے خصوصًا پھر عوامی سطح پر تو بالکل نہیں۔

گزارش (۷):

اسی خط کے جواب میں حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے جو کہ کتابچہ کے (ص:۲۲) پر موجود ہے کہ:

''بندہ کی رائے تو یہی ہے، اور اسی پر عمل بھی ہے، تاہم اپنے اکابر میں سے کسی کی تائید مل جائے تو بہتر ہے، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے کہیں یہی موقف اختیار کیا ہے، مگر حافظے پر بھروسہ نہیں، خود تحقیق فرمالیں''۔

جواب میں مذکور حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ کا جملہ کہ ''بندہ کی رائے تو یہی ہے'' یہ بھی اس بات کو خوب واضح کر رہا ہے اس مسئلہ میں یہ حضرت کی ذاتی رائے ہے جمہور اہل علم کی نہیں، اور فتوی وترغیبِ اعمال اہلِ علم کی جمہوری آراء میں ہی منحصر رہیں تو ہی عوام الناس فکری وذہنی انتشار سے محفوظ رہتی ہے، بصورتِ دیگر متفرد آراء کی ترغیب وفتوی کی صورت میں جمہور اہل علم کے بارے عوام کا جو ذہن بنتا ہے وہ قابل مدح نہیں ہوتا، ہاں البتہ متفرد آراء پر ذاتی نوعیت کا عمل ہو تو اس پر یقینا کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

گزارش(۸):

مذکورہ جواب میں حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ کا جملہ کہ "تاہم اپنے اکابر میں سے کسی کی تائید مل جائے تو بہتر ہے" سائل کے مختصر رسالہ میں ترغیبی پر طور لکھے جانے والے مذکورہ جملوں کو مندرج کرنے سے متعلق ہے کہ اپنے اکابر میں سے کسی کی تائید ہو تو ان کو شامل کرنا زیادہ بہتر ہو گا، وگرنہ حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ تو ذاتی نوعیت میں اسی پر عمل فرماتے ہیں پر کسی قسم کی صریح ترغیب نہیں فرماتے کہ ہمارے ہاں جمہور اہلِ علم کے فتاوی اس کے خلاف ہیں تو عوام میں کہیں انتشار کا ماحول نہ پیدا ہو جائے۔

گزارش(۹):

مذکورہ جواب سے یہ بھی معلوم ہو تا ہے کہ حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ نے موصوف مرتّب صاحب حفظہ اللہ کو اپنے اکابر میں سے کسی کی تائید تلاش کرنے کا حکم فرمایا ہے، جبکہ ہمیں یہاں کتابچہ میں اپنے اکابر میں سے کسی کی تائید شامل حصہ نظر نہیں آئی، محترم مرتّب موصوف سے قوی امید ہے کہ انہوں نے اسے ضرور تلاش کیا ہو گا پر اگر وہ اپنی تلاشِ بسیار کا نتیجہ بھی یہاں جوابی خط کے حاشیہ میں ذکر فرماتے تو اہلِ علم و تحقیق کے لیے بہت عمدہ ہو تا، ہم نے گزارش نمبر(۱۰) کے ذیل میں اس پر تفصیل پیش کر دی ہے۔

گزارش(۱۰):

مذکورہ جواب میں حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ کا جملہ: "حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے کہیں یہی موقف

اختیار کیا ہے، مگر حافظے پر بھروسہ نہیں، خود تحقیق فرمالیں" بھی واضح طور بتارہا ہے کہ مسئلہ «جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا» میں اکابر میں سے حضرت شاہ صاحب علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی طرف اس موقف کی نسبت حصرت مفتی صاحب حفظہ اللہ نے ظنی طور پر کی ہے، اور اس نسبتِ ظنی کو مزید واضح کرنے کے لیے اپنے حافظے پر عدمِ بھروسہ کا بھی برملا اظہار کیا ہے، ساتھ ہی مکمل تحقیق مرتّب موصوف کے سپرد کی ہے کہ وہ خود یہ تحقیق فرمالیں کہ آیا یہ واقعی شاہ رحمہ اللہ کی بھی رائے ہے یا نہیں، لیکن ہمیں یہاں بھی مرتّبِ موصوف کی اس بارے کسی قسم کی کوئی تحقیق شاملِ کتابچہ نظر نہیں آئی، یقیناموصوف نے تحقیق فرمائی ہوگی لیکن اگر یہ تحقیق بھی شاملِ بحث ہوتی تو کتابچہ کی رونق میں گراں قدر اضافہ کا باعث ہوتی۔

اس بارے میں کچھ تفصیل پیش خدمت ہے:

(کیا شاہ صاحب علامہ کشمیری رحمہ اللہ جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کی سنیت کا موقف رکھتے ہیں؟)

حضرت شاہ صاحب علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی طرف جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا چاہیے کی یہ ظنی نسبت ہمیں اپنی ناقص تلاش کی حد تک یقین میں بدلتی نظر نہیں آتی، بلکہ کشمیری رحمہ اللہ اوّلا تو جنازہ میں اپنے فقہاء سے بطور ثناء فاتحہ پڑھنے کے جواز کو نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد جمہور علماء احناف کے موقف کے مطابق صراحت فرماتے ہیں فاتحہ کا پڑھنا ضروری بھی نہیں اور سنت بھی نہیں، جسے ہم یہاں پیش کیے دیتے ہیں:

(۱)حضرت انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"وهي جائزة عندنا أيضًا كمـا في «التجريد» للقدُوري، وصرَّح يحيى بن منقاري زاده أستاذ الشُّرُنْبلالي في رسالته: «الاتباع في مسألة الاستماع» بالاستحباب، إلا أنها تكونُ كالثناء عندنا لا كالقراءة. واستحبَّها أحمدُ رحمه الله. وقال الشافعية: أَنْ لا صلاةَ إِلا بفاتحةِ الكتاب. ولا ريبَ في أَنَّ أكثرَ عملهِ صلى الله عليه وسلّمكان على التَّرْك. وصرَّح ابنُ تيميةَ رحِمه اللهُّ أن جُمهورَ السَّلف كانوا يكتفون بالدعاء ولا يقرؤون الفاتحةَ، نعم، ثبت عن بعضهم. ثم هي عند الشافعية بعدَ التكبيرةِ الأُولى ففات عنهم الاستفتاح. فقلت لهم أن اقرؤوا بها أربعَ مرات لأن كلَّ تكبيرة في صلاةِ الجنازة تقوم مقامَ ركعةٍ. فأَوْلى لكم أن تقرؤا بها أربع مرّات، فإِنَّه لا صلاةَ لمن يقرأُ بها.

قوله: (وقال: لتعْلَمُوا أنَّها سُنَّة). قلت: وهذا مِن دأب ابنِ عباس رضي الله عنه أنه يُطلق على بعضِ مختاراتِه لَفْظَ السُّنَّة، كما فَعَله في الإِقعاء مع أنَّ ابن عمرَ صرَّح بنقِيضه وقال: «إنْ الأقعاءَ ليس بسُنَّة. على أن في «النسائي» «أنه قرأ بفاتحةِ الكتابِ وسورةٍ، وجَهَرَ بِها». وفي «المنتقى» لابن الجاردو وكله صحيح: أنه ضَمَّ سورةً أيضًا. فعلى الشافعيةِ أن يقولوا بالجَهْر وضمِّ

السورةِ أيضًا إذ قالوا بِبَعْضِها. ثُمَّ في «تاريخ مكة» للأزرقي -وهو إِمَامُ الحديث متقدِّم على البخاري- عن ابن عباس رضي الله عنه: أَنَّه سُئل عَمَّا يفعل داخلَ البيت. قال: يكبِّر عند الأَركانِ كالتكبيراتِ على الجنائز». مع أنه ينفي الصلاةَ في داخل البيت، فعلم أنْ لا فاتحةَ عنده في الجنازة.[۵]

خلاصہ عبارتِ کشمیری رحمہ اللہ:

فاتحہ کی قرأت جنازہ میں ہمارے ہاں بھی جائز ہے، لیکن بطور ثناء کے نہ کہ تلاوت کے، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ جمہور سلف صالحین نماز جنازہ میں صرف دعا پر اکتفاء کرتے تھے، اور سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے، البتہ بعض حضرات سے پڑھنا بھی ثابت ہے، پھر یہ فاتحہ کی تلاوت شوافع کے ہاں پہلی تکبیر کے بعد ہے، تو پس پھر اس صورت میں تو ثناء ان سے فوت ہو جاتی ہے، تو میں (شاہ کشمیری رحمہ اللہ) ان سے کہتا ہوں کہ فاتحہ کو چار مرتبہ پڑھا کریں کیونکہ جنازہ کی ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہوتی ہے، تو پس تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم لوگ اسے چار مرتبہ پڑھا کرو، کیونکہ اس کی نماز نہیں ہوتی جس نے اس کو نہیں پڑھا۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا کہ یہ میں نے اس لیے کہا کہ تم لوگ جان لو کہ یہ ایک سنت ہے، تو میں (شاہ کشمیری رحمہ اللہ) کہتا ہوں کہ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عادت ہے کہ وہ اپنی اختیار کردہ چیزوں پر بھی لفظ

---

۵) فیض الباری، باب قراءۃ فاتحۃ الکتاب علی الجنازۃ، (۳/ ۵۲ و ۵۳)، ط/ دار الکتب العلمیۃ الطبعۃ الاولی۔

سنت کا اطلاق کر دیتے ہیں، جیسا کہ اقعاء کے بارے میں انہوں نے کیا ہے کہ اسے سنت قرار دیا ہے، جبکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے برعکس اس کے سنت نہ ہونے کی صراحت موجود ہے، مزید یہ کہ نسائی شریف میں تو اس کی بھی صراحت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورہ فاتحہ کے ساتھ دوسری کوئی سورت بھی ملا کر پڑھی، اور بلند آواز سے پڑھی، اور ابن جارود کی منتقی میں صراحت کے کہ یہ مکمل حصہ (یعنی فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملانا) یہ سب صحیح ہے، تو پھر تو شوافع پر لازم ہے کہ وہ ضمِّ سورۃ اور جَھَر (بلند آواز سے) کے بھی قائل ہوں، کیونکہ اب تو وہ بعض کے قائل ہیں بعض کے نہیں، پھر ازرقی رحمہ اللہ (جو کہ حدیث کے امام ہیں اور مام بخاری رحمہ اللہ سے متقدم ہیں) کی تاریخ مکہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ بیت اللہ کے اندر کیا کیا جائے؟ تو فرمایا کہ جنازے کی طرح تکبیرات کہی جائیں بس، حالاں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کعبۃ اللہ کے اندر نماز کی نفی کرنے والے ہیں، تو معلوم ہو گیا کہ ان (ابن عباس رضی اللہ عنہما) کے نزدیک بھی جنازے میں فاتحہ نہیں ہے۔

(۲) حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے اسی طرح کی بات اپنے حاشیہ آثار السنن میں بھی فرمائی ہے، جو کہ «الاتحاف لمذہب الاحناف» کے نام سے موسوم ہے، اور اب تک غیر مطبوع ہے، اس کے قلمی نسخہ کا عکس انٹرنیٹ پر موجود ہے ہم وہیں سے اس کی عبارت پیش کیے دیتے ہیں:

قوله: (كان إذا صلى على الميت قال: اللهم اغفر لحينا) ولا تجب الفاتحة ولا تكره، نقله ابن التركماني عن «تجريد

القدوري». وراجع: «الفتاوى» لابن تيمية (١/ ١٤٠) و(٢/ ٤٠٢)، وأخرج عمر بن شبة في «كتاب مكة» من طريق حماد عن أبي حمزة عن ابن عباس، قال: «قلت له: كيف أصلي في الكعبة؟ قال: كما تصلي في الجنازة تسبح وتكبر ولا تركع ولا تسجد، ثم عند أركان البيت سبح وكبر وتضرع واستغفر، ولا تركع ولا تسجد». وسنده صحيح. «فتح الباري» «باب من كبر في نواحي البيت». راجع لأبي حمزة: (ص١٢٤) من الترمذي، وراجع: «المسند» (١/ ٢٨٣)، ولعله أخذه من تكبير الطائف حذاء الركن الأسود، فازداد وضوحًا في ترك الفاتحة وهو راويها.[٦]

یہاں پر بھی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما جو کہ جنازہ میں قرأت فاتحہ کی سُنّیت کے قائل ہیں، انہی سے یہ نقل کیا ہے کہ بیت اللہ میں نماز جنازہ کی نماز کی طرح ہے کہ بس تسبیح و تکبیر ہے رکوع و سجدہ نہیں، تو فرماتے ہیں کہ یہاں تو بہت وضاحت سے ترک فاتحہ کا ذکر انہی صحابی سے آگیا ہے جو سنیت کے قائل ہیں۔

تمام تر بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ جنازہ میں سورہ فاتحہ کے سنت ہونے کی رائے حضرت شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی ہر گز نہیں ہے، شاہ صاحب جمہور ائمہ

---

٦) دیکھئے: الاتحاف (حاشیہ کشمیری بر آثار السنن)، باب ماجاء فی الصلاۃ علی المیت، (٢/ ١٢٠)، برقی وقلمی نسخہ۔

احناف کی طرح جواز بطور ثناء کے قائل ہیں، اور عدمِ وجوب وعدمِ سُنّیت پر دلائل دے رہے ہیں۔

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بعض اوقات کسی عمل کو سنت کہنے کی وجہ اور اس پر کچھ شواہد)

حضرت انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ نے یہ وجہ ذکر فرمائی ہے کہ:

(۱) "قلت: وهذا مِن دأب ابنِ عباس رضي الله عنه أنه يُطلق على بعضِ مختاراتِه لَفْظَ السُّنَّة، كما فَعَله في الإِقعاء مع أنَّ ابن عمرَ صرَّح بنقِيضه وقال: «إن الأقعاءَ ليس بسُنَّة". [۷]

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا کہ یہ میں نے اس لیے کیا کہ تم لوگ جان لو کہ یہ ایک سنت ہے، تو میں (شاہ کشمیری رحمہ اللہ) کہتا ہوں کہ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عادت ہے کہ وہ اپنی اختیار کردہ چیزوں پر بھی لفظ سنت کا اطلاق کر دیتے ہیں، جیسا کہ اقعاء کے بارے میں انہوں نے کیا ہے کہ اسے سنت قرار دیا ہے، جبکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے برعکس اس کے سنت نہ ہونے کی صراحت موجود ہے۔

علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے اسی مذکورہ موقف کو حضرت بنوری رحمہ اللہ تعالی نے احسن انداز میں نقل فرمایا ہے، حضرت بنوری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

---

۷) فیض الباری، باب قراءۃ فاتحۃ الکتاب علی الجنازۃ، (۳/ ۵۲و۵۳)، ط/ دار الکتب العلمیۃ الطبعۃ الاولی۔

"قال شيخنا: ومن المعلوم عند المحدثين أن نقل ابن عمر في باب السنة أوثق من نقل ابن عباس رضي الله عنهم، فإن ابن عباس رضي الله عنهما ربما يقول باجتهاده ورأيه، ثم يعبّر بالسنة ".[۸]

یعنی حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ کا قول حضرت بنوری رحمہ اللہ نقل فرمارہے کہ سنت کے باب (یعنی جب وہ کہیں کہ یہ سنت ہے) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول زیادہ معتبر ہے بنسبت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے، کیونکہ وہ کبھی کوئی بات اپنی رائے سے بھی کہہ دیتے ہیں اور پھر اسے لفظ سنت سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۲) اس کی ایک اور مثال مولانا محمد یحی کاندھلوی رحمہ اللہ (جنہوں نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے افادات بنام «لامع الدراری علی جامع البخاری» جمع کیے ہیں) نے بھی دی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قرأت فاتحہ فی صلاۃ الجنازۃ کو سنت کہنے سے سنت ثابت نہ ہونے کے لیے ایک مثال یہ بھی ہے، لکھتے ہیں:

"قلتُ قول ابن عباس رضي الله عنه إنها من السنة ليس بنص في كونها سنة ألا تري إلى ما أخرجه مسلم عن أبي حسان الأعرج قال قال رجل لابن عبا س ما هذه الفتيا أن من طاف

---

۸) معارف السنن، باب في الرخصة في الاقعاء، (۳/۶۷)، ط/ مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامی۔

بالبيت حلّ، فقال سنة نبيكم وإن رغمتم ، وأنت خبير أنه خلاف الاجماع وأطلق ابن عباس عليه السنة". (٩)

یعنی ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ یہ جو آپ فتوی دے رہے ہیں کہ جس نے بیت اللہ کا طواف کیا وہ حلال ہو گیا، یہ کیسا فتوی ہے؟اس پر بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تمہاری نبی کی سنت ہے، حالانکہ بچہ بچہ جانتا ہے کہ حاجی جب تک وقوف عرفہ اور رمی جمرہ عقبہ نہ کرے حلال نہیں ہوتا ، اور پوری امت کا عمل اسی طرح ہے، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما صرف طواف کر کے حلال ہونے کو سنت نبوی قرار دے رہے ہیں۔

(٣) حضرت مفتی محمد ولی درویش صاحب رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جنازہ میں فاتحہ کو سنت قرار دینے سے متعلق لکھتے ہیں:

"دیکھئے طواف کے اندر رمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے اور صحابہ کرام سے بھی، اور جمہور امت اس کے سنت ہونے کی قائل ہے، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کو سنت نہیں مانتے، دیکھئے جب رمل کے سنت ہونے کے بارے میں ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا "صدقوا وكذبوا" (صحیح مسلم (١/٤١١)۔

٩) لامع الدراری علی جامع البخاری (٢/١٢٥)، ط/ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:"هو مذهبه وخالفه جميع العلماء من الصحابة والتابعين وأتباعهم ومن بعدهم فقالوا هو سنة".

اس سے معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اس بارے میں اپنا ایک نظریہ ہے، دیکھئے جو بالاتفاق سنت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس کو سنت نہیں کہتے، اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث کے ساتھ ثابت نہیں ہے، جیسے: نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا یا طواف کر کے حلال ہونا اس کو سنت قرار دے رہے ہیں، اس لیے جب صحابی مطلق لفظ سنت سے کہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث سے ثابت نہ ہو اس سے سنت نبوی مراد نہیں لیا جا سکتا"۔ (۱۰)

(۴) حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمہ اللہ کی تقریرِ بخاری شریف (جس کے مرتب مفتی حسین احمد صاحب پالنپوری ہیں) بنام تحفۃ القاری میں مذکورہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما پر کلام اور اور سنت کہنے کی توجیہ کچھ یوں ذکر کی گئی ہے:

"نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنا سنت ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں تنہا یہی روایت ہے اور یہ بھی موقوف ہے، یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا عمل ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت مرفوع بھی مروی ہے ... مگر یہ روایت صحیح نہیں، اس کی سند میں ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان ضعیف راوی ہے... اور ابن عباس

۱۰) کتاب "کیا نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت ہے؟" (ص: ۷۴ و ۷۵) طبع درج نہیں۔

رضی اللہ عنہما نے جو اس کو سنت کہا ہے کہا ہے وہ آپ کا اجتہاد تھا اور سنت بمعنی جائز تھا۔[۱۱]

(۵) اور بخاری کی اس حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ جس میں جنازہ میں قرأت فاتحہ کو سنت کہا گیا ہے کے بارے دار العلوم دیوبند کے استاذ مفتی محمد راشد اعظمی صاحب اپنے رسالے میں صراحت سے لکھتے ہیں کہ:

”بخاری وغیرہ میں آنے کی وجہ سے بعض حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ اثر بڑے زور وشور کے ساتھ بیان کرتے ہیں، حالانکہ اس اثر سے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی فرضیت کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتی، زیادہ سے زیادہ جواز ثابت ہوتا ہے، کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۂ فاتحہ کو سنت فرمایا، لیکن یہ صراحت نہیں کی کہ کس کی سنت ہے، اس میں احتمال موجود ہے کہ خود ان کی رائے یا بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے ہو اور صحابہ کرام کی رائے اور اجتہاد کو بھی سنت کہا جاتا ہے[۱۲]، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے: "قال علي رضي الله عنه جلد النبي صلى الله عليه وسلم أر بعين وأبو بكر أربعين وعمر ثمـانين وكُلّ سنّة" (مسلم(۲/۷۲)“۔[۱۳]

۱۱) تحفۃ القاری (۴/۹۱)، ط/ مکتبہ حجاز دیوبند ضلع سہارنپور (یو، پی)، سن اشاعت: ۱۴۳۴ھ۔
۱۲) اس بات پر تحقیق آگے آرہی ہے کہ ”من السنۃ کذا“ کا کیا حکم ہے؟۔م ک
۱۳) رسالہ ”نماز جنازہ میں قرأت فاتحہ دلائل شرعیہ کی روشنی میں“ (ص:۵۱)، ط/ شعبہ تحفظ سنت دار العلوم دیوبند۔

(متاخرین حنفیہ میں جو حضرات جنازہ میں قرأت فاتحہ کی سُنّیت کے قائل ہوئے)

ہمیں سرسری طور پر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے حنفیہ میں صاحبِ نور الایضاح علامہ حسن شرنبلالی حنفی (المتوفی:۱۰٦۹ھ) نے اس موضوع پر مستقل ایک رسالہ لکھا ہے اور جنازہ میں فاتحہ کی قرأت کے سنت ہونے کو اپنی تحقیق کے طور پر پیش کیا ہے، اور کئی مرفوع روایات کو مستدل بناتے ہوئے حنفیہ کے استدلالات وتوجیہات کی توضیح وتنقید بھی کی ہے، رسالہ **"النظم المستطاب لحكم القراءة في صلاة الجنازة بأم الكتاب"** کے نام سے موسوم ہے، یہ رسالہ مکمل (٥٦) صفحات پر الجزائر کے مکتبۃ الحافظ الذہبی سے موجودہ سلفی الذہن محقق أبو عبد الرحمن عبد المجید جمعہ الجزائری کی تحقیق سے شائع ہوا ہے، جبکہ سنِ طباعت درج نہیں ہے۔

ثانیاً علامہ عبد الحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ (المتوفی:۱۳۰۷ھ) نے اپنی کتاب **"امام الكلام في ما يتعلق بالقراءة خلف الإمام"**[۱۴] میں علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ کے ہی رسالہ مذکورہ کی تلخیص کر دی ہے، اور انہی کے موقف کی مکمل توثیق وتائید کی ہے، اور اپنی ذاتی رائے میں اسی موقف کو قابل عمل بیان کیا ہے، اور یہی موقف علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے **"التعليق الممجد"**[۱۵] میں بھی نقل کیا ہے۔

---

۱۴) (ص:۲۳۳تا۲۳۹)، ط/ مطبع العلوی لمحمد علی بخش خان لکھنوی۔

۱۵) باب الصلاۃ علی المیت والدعاء، (ص:۱۱۲و۱۱۳)، حاشیہ نمبر (۹)، ط/ دار القلم، دمشق الطبعۃ الرابعۃ: ۱۴۲٦ھ۔

جبکہ مفتی محمد ولی درویش صاحب رحمہ اللہ خاکی جان صاحب (غیر مقلد عالم) کی جانب سے علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کے نقل کردہ رسالہ شرنبلالی رحمہ اللہ کے حوالہ سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"خاکی جان صاحب نے علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ کی کتاب "المستطاب" کا حوالہ مولانا عبد الحئی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔

جب تک کتاب سامنے نہ ہو اور دلائل کی قوت وضعف کا پتہ نہ چل جائے اس وقت تک اس سے آنکھیں بند کر کے اس سے استدلال کیسے کیا جاسکتا ہے؟"۔[(۱۶)]

اس سے معلوم ہوا کہ مفتی محمد ولی درویش صاحب رحمہ اللہ کے کتاب لکھنے کے زمانہ تک یہ رسالہ طبع نہ ہوا تھا یا ان کی دسترس میں نہ تھا، اور رہ گئی بات کتاب کے دلائل کی قوت وضعف کی تو ہم واضح طور پر بتا چکے کے اس رسالہ کی تلخیص علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے خود اپنی کتاب "**امام الكلام في ما يتعلق بالقراءة خلف الإمام**" میں سات صفحات میں پیش کر دی ہے، اور یہ کتاب تو ہندوستان سے کافی وقت پہلے سے شائع شدہ ہے، لیکن علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ کے رسالہ کی یہ تلخیصِ لکھنوی رحمہ اللہ اربابِ فتاوی کے سامنے اپنے دلائل کی قوت ثابت نہ کر سکی، جس کے باعث حنفی فتاوی جات میں ہمیں کہیں بھی علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ کے موقف کے مطابق فتوی نظر نہیں آتا۔

اختتامیہ:

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوا ہے کہ حضرت کشمیری رحمہ اللہ کی یہ رائے نہیں، البتہ علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ کی یہی رائے رہی ہے اور انہوں نے اپنے اس

---

۱۶) کتاب "کیا نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت ہے؟" (ص:۸۹) طبع درج نہیں۔

موقف کو اپنے رسالہ میں تفصیلا درج بھی کیا ہے ، انہی کے موقف کے تائید وتوثیق علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے بھی فرمائی ہے ، لیکن اس کے باوجود بھی ہمارے علم کے مطابق اب تک ان بزرگوں کی یہ ذاتی آراء مُفتیٰ بہ قول ہونے کا مقام حاصل نہیں کر سکیں ، ہمارے مُتَصدّی لِلفتوی حضرات اب تک جمہور احناف کے موقف پر ہی فتوی دیتے چلے آرہے ہیں، خود مفتی تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ کے ادارے کا فتوی بھی مفتی صاحب کی رائے کے مطابق اب تک ہماری نظر سے نہیں گزرا، لہذا مرتب موصوف کے ادارے کا مطابق جنازہ کے مختصر رسالہ میں اس غیر مُفتیٰ بہ قول کو جزم کے ساتھ سنت لکھنے میں عوام میں جو انتشار کی کیفیت پیدا ہوگی وہ قابل ستائش نہ ہوگی۔

(کیا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے ہاں جنازہ میں سورہ فاتحہ بطورِ قرأت پڑھنا سنت ہے؟)

جاننا چاہئے کہ حضرت شاہ ولی اللہ (المتوفی:۱۱۷۶ھ) کے ہاں جنازہ میں فاتحہ کی قرأت بطورِ دعا سنت کا قول تو ملتا ہے، البتہ مطلق قرأت کو سنت حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا ہو تو وہ ہمیں مل تو نہیں سکا لیکن ذیل کی صراحت کے بعد وہ بھی علی وجہ الدعاء کی حیثیت سے ہی سنت ہونے پر محمول ہوگا، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ومن السنة قراءة فاتحة الكتاب لأنها خير الأدعية وأجمعها". (۱۷)

۱۷) حجۃ اللہ البالغۃ، باب الجنائز، (۲/۵۷)، ط/دار الجیل، سن اشاعت:۱۴۲۶ھ۔

یعنی نمازِ جنازہ میں فاتحہ کی قرأت بہترین اور جامع دعا ہونے کے باعث سنت ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے ہاں بھی بطورِ دعا کے پڑھنا ہی ثابت ہے بطورِ تلاوت کے نہیں۔

(جنازہ میں فاتحہ کی قرأت کے سنت نہ ہونے پر مستقل لکھی گئی ایک اہم کتاب)

احناف کے جمہوری موقف کہ جنازہ میں فاتحہ کا پڑھنا سنت نہیں ہے، اس پر **جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذ اور شعبہ تخصص فی الدعوۃ والارشاد کے مُشْرِفْ محمد مفتی ولی درویش صاحب** (التوفی:۱۹۹۹ء) **رحمہ اللہ** نے ایک کتاب بعنوان ''**کیا نماز جنازہ میں سورۂ پڑھنا سنت ہے؟**'' لکھی ہے، جو کہ درمیانی سائز کے (۱۵۰) صفحات پر مشتمل ہے، اور اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن سے شائع ہوئی ہے، کتاب پر سن اشاعت درج نہیں ہے، لیکن اندر کتاب میں مفتی صاحب رحمہ اللہ کے قلم سے درج کی گئی تاریخ (۸/۳/۱۴۱۸ھ) سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ غالباً اسی سن یا اس کے بعد کے سن کی ہی اشاعت ہے۔

مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب میں اس مسئلہ پر جو سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے وہ قابل مطالعہ ہے، اور خاکی جان صاحب کے نام سے مشہور غیر مقلد عالم دین جناب ابو جابر عبد اللہ دامانوی صاحب کا اس مسئلہ میں جا بجا خوب تعاقب بھی فرمایا ہے۔

فاتحہ کی عدمِ سنیت کے بارے جو کلمات حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ثبت فرمائے ہیں، باوجود کچھ نا کچھ تکرار کے وہ ہم یہاں نقل کیے دیتے ہیں کہ جس سے اندازہ ہو سکے کہ جو چیز سنت نہیں اس کے سنت ہونے کی ترغیبی مہم چلانا کیسے درست ہو سکتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

(۱) مفتی محمد ولی درویش صاحب رحم اللہ کتاب کے (ص:۱۹) پر رقمطراز ہیں کہ: ''نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اس لیے ہم اس کے قائل نہیں''۔

(۲) اور (ص:۲۰) پر لکھتے ہیں کہ: ''خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند سے صرف دعا ثابت ہے، فاتحہ کا پڑھنا نماز جنازہ میں ثابت نہیں ہے''۔

(۳) اور (ص:۲۸) پر لکھتے ہیں کہ: ''پہلے نماز جنازہ میں فاتحہ کا پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند سے ثابت کریں، اور یہ بھی ثابت کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پڑھنا ہمیشہ اور ہر نماز جنازہ میں ثابت ہے، پھر اس طریقہ کو مسنون طریقہ لکھیں''۔

(۴) اور (ص:۲۹) پر لکھتے ہیں کہ: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحیح حدیث میں نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ثابت نہیں''۔

(۵) اور (ص:۳۴) پر لکھتے ہیں کہ: ''سنت اس عمل کو کہتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیشہ کرنا ثابت ہو اور کبھی کبھی ترک کیا ہو، اور نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ایسا ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا دوام تو درکنار ایک مرتبہ پڑھنا بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کر سکتے''۔

(۶) اور (ص:۴۹) پر لکھتے ہیں کہ: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کو سنت اس وقت کہا جاتا ہے جب اس پر دوام ثابت ہو مع الترک احیانًا، جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا کسی ایک بھی صحیح حدیث سے ایک مرتبہ بھی پڑھنا ثابت نہیں ہے، ار نہ ہی اس بارے میں حکم دیا ہے، اس لیے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کہنا دعوی بلا دلیل ہے اور دعوی بلا دلیل معتبر نہیں ہے''۔

(۷) اور (ص: ٦٢) پر لکھتے ہیں کہ: ''مولوی عبد الباقی صاحب نے اپنے جواب میں خاکی جان صاحب کے جواب میں یہ نکتہ اٹھایا تھا کہ اگر سورۂ فاتحہ جنازہ میں معمول ہوتا، تو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جب سورۂ فاتحہ پڑھی تو لوگ اس کے بارے سوال نہ کرتے، کیونکہ معلوم اور معہود چیز کے بارے میں کوئی سوال نہیں کرتا کہ کیوں پڑھا؟ ظاہر بات ہے کہ نماز جنازہ میں یہ عام معمول نہیں تھا، اس لے سائل کو عجیب لگا اور سوال کر بیٹھا، مولوی عبد الباقی صاحب کا یہ نکتہ واقعی قابل غور ہے''۔

(۸) اور (ص: ٦٣) پر اسی مذکورہ نکتہ کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''نماز جنازہ اکثر و بیشتر سامنے آتا ہے، اور یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، البتہ اس میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا چونکہ شاگرد کو نئی بات معلوم ہوئی اس سے پہلے نہ خود پڑھی نہ کسی کو پڑھتے ہوئے سنا، اس لیے سوال کیا اگر کسی اور کو پڑھتے سنتے یا یہ معلوم ہوتا کہ یہ سنت نبوی ہے جیسے امام جہری نماز میں سورۂ فاتحہ جہر سے پڑھتا ہے، تو کبھی سوال نہ کرتے، سوال تب ہی کیا کہ ایسا نہ کیا تھا اور نہ سنا تھا''۔

(۹) اور (ص: ٦٦) پر لکھتے ہیں کہ: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار لوگوں پر خود نماز جنازہ پڑھی، اور بے شمار صحابہ نے آپ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی، لیکن کسی بھی صحابی سے صحیح سند سے ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی''۔

(۱۰) اور (ص: ٧٧) پر لکھتے ہیں کہ: ''حضور صلی اللہ عیلیہ وسلم نے ایک نہیں بے شمار لوگوں پر نماز حنازہ پڑھی، صرف دعا کا ذکر تو آتا ہے کہ یہ دعا پڑھی یہ دعا پڑھی ہے، لیکن ایک بھی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ بھی پڑھی''۔

(۱۱) اور (ص:۸۳) پر لکھتے ہیں کہ: ''جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ کیا جاے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے، اس وقت تک اس کی سنّیت ثابت نہیں ہوسکتی''۔

(۱۲) اور (ص:۸۷) پر ابن حجر رحمہ اللہ کے اس مسئلہ کو مختلف فیہ مسئلہ لکھنے سے متعلق لکھتے ہیں کہ: ''اگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند سے ثابت ہوتا اور سنت نبوی ہوتی، تو اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہ ہوتی، یہ اختلاف ہی اس بات کی دلیل ہے کہ پڑھنا سنت نبوی نہیں ہے، کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں''۔

(۱۳) اور (ص:۸۹) پر لکھتے ہیں کہ: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بسر وچشم قبول، لیکن نماز جنازہ میں فاتحہ کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث سے تو ہو، اور یہ بتایا جائے کہ فلاں کتاب میں صحیح سند سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ صرف پڑھنا ثابت ہے بلکہ دوام بھی ثابت ہے... اس لیے غیر سنت کو سنت کیسے تسلیم کر لیا جائے''۔

(۱۴) اور (ص:۹۰) پر لکھتے ہیں کہ: ''تمام نمازوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۂ فاتحہ پڑھنا ثابت ہے، جب کہ نماز جنازہ میں صحیح حدیث سے ثابت نہیں''۔

(۱۵) اور (ص:۹۹) پر لکھتے ہیں کہ: ''کوئی صحابی یا تابعی کسی ایسے عمل کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت قرار نہیں دے سکتے، ہاں ان کی اپنی سنت تو ہوگی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں ہوگی''۔

(۱۶) اور (ص:۱۰۹) پر لکھتے ہیں کہ: ''جو لوگ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے نہ ان کی نماز سنت کے خلاف ہے اور نہ ہی وہ تارک السنہ ہوئے''۔

(۱۷) اور (ص:۱۱۰) پر لکھتے ہیں کہ: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو ثقہ تو کیا کسی ایک ثقہ نے بھی نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا، اور نہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھنے کا حکم دیا ہو نماز جنازہ میں''۔

(۱۸) اور (ص:۱۱۳) پر سوالیہ انداز میں لکھتے ہیں کہ: ''مدینہ منورہ میں جو لوگ فوت ہوئے اور ان کی نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی گئی اور بقیع میں دفن ہوئے، کیا وہ بغیر جنازہ کے دفن ہوئے؟ ان کا کیا حکم ہے؟''۔

ان تمام عبارات سے جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی عدمِ سُنّیت کا جمہور فقہاء احناف کا موقف خوب واضح ہو گیا ہے۔

(صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی عمل کو سنت کہنا)

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس عمل کو سنت کہنے سے یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ صحابی کا کسی عمل کو سنت کہنا کس حیثیت پر محمول ہوتا ہے؟۔

(۱) اس بارے حضرت مفتی محمد ولی درویش صاحب رحمہ اللہ نے اپنی مذکورہ کتاب میں بہت تفصیل سے جابجا کلام کیا ہے، ہم مختصراً اسے یہاں پیش کیے دیتے ہیں کہ سوال کا جواب مل جائے، مفتی محمد ولی درویش صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''باقی رہی یہ بات کہ صحابی جب کہے "ومن السنة كذا يا السنة" تو کیا اس سے واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مراد ہوتی ہے؟ اور کیا واقعی اجماعی بات ہے؟ جیسا کہ خاکی جان صاحب نے حاکم کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

"وقد اجمعوا على أن قول الصحابي سنة حديث مسند مستدرك" (۱/ ۳۵۸)

تو اس بارے میں عرض ہے کہ یہ بعض شوافع کے وضع کردہ اصول ہیں، احناف کے ہاں یہ اصول نہیں ہے۔

احناف کا مذہب

امام طحاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقالوا: أما ما رويتموه عن عمر من قوله: أصبت السنة فليس في ذلك دليل على أنه عنده عن النبي صلى الله عليه وسلم لأن السنة قد تكون منه وقد تكون من خلفائه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين». (شرح معانی الآثار، باب المسح علی الخفین، (۱/ ۸۰) طبع بیروت جدید)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا "أصبت السنة" میں اس پر کوئی دلیل نہیں کہ یہاں سنت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی مراد ہے، کیونکہ سنت جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوتی ہے اوروں کی بھی ہوتی ہے، چنانچہ ارشاد نبوی «عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين» دیکھیے اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین کی سنت کا بھی ذکر فرمایا ہے، امام طحاویؒ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ اتفاقی نہیں ہے، احناف اس کے قائل نہیں ہیں، شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ اپنی کتاب "اصول السرخسی" میں لکھتے ہیں:

واختلف العلماء في فصل من هذا الجنس وهو أن الصحابي إذا قال أمرنا بكذا أو نهينا عن كذا أو السنة كذا فالمذهب عندنا أنه لا يفهم من هذا المطلق الإخبار بأمر رسول الله عليه السلام أو أنه سنة رسول الله، وقال الشافعي في القديم ينصرف إلى ذلك عند الإطلاق وفي الجديد قال لا ينصرف إلى ذلك بدون البيان لاحتمال أن يكون المراد سنة البلدان أو الرؤساء حتى قال في كل موضع قال مالك رحمه الله السنة ببلدنا كذا فإنما أراد سنة سليمان بن بلال وهو كان عريفا بالمدينة.

(١/ ٢٨٤) طبع جديد.

یعنی صحابی جب "أُمرنا بكذا" نُهينا بكذا" والسنة كذا" کہے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے، ہمارا مذہب یہ ہے کہ علی الاطلاق اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مراد نہیں ہوتی، امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم یہ ہے کہ عند الاطلاق اس سے سنت نبوی مراد ہوگی، اور جدید قول یہ ہے کہ بغیر بیان کے سنت نبوی مراد نہیں ہوگی، کیونکہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے کسی شہر یا کسی رئیس کا طریقہ مراد ہو، اور کہا ہے کہ امام مالکؒ نے جہاں بھی کہا ہے "والسنة ببلدنا كذا" اس سے سلیمان بن بلال کی سنت مراد ہے، جو کہ مدینہ منورہ تعارف (۱۸) کرانے پر مامور تھا۔

امام سرخسیؒ آگے لکھتے ہیں:

۱۸) مفتی ولی درویش صاحب رحمہ اللہ نے یہاں ''عَرِیف'' کا ترجمہ تعارف کرانے والا کیا ہے، جبکہ سیاق وسباق دیکھ لینے کے بعد یہاں سردار کا معنی زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔
عَرِيف: وهو القَيِّمُ بأُمورِ القَبِيلَةِ أَو الجَماعةِ من النّاسِ. دیکھئے: تاج العروس(۲۴/ ۱۴۵)، ط/ دار الهداية۔

وحجتنا في ذلك أن الأمر والنهي يتحقق من غير رسول الله عليه السلام كمـا يتحقق منه قال تعالى {أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم}. (سورة النساء آية: ٥٩).

کہتے ہیں اس بارے میں ہماری دلیل یہ ہے کہ امر اور نہی جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متحقق ہوتے ہیں، کسی اور سے بھی متحقق ہوتے ہیں، ارشاد باری ہے: {أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم}.

آگے لکھتے ہیں:

وكذلك السنة فقد قال عليه السلام عليكم بسنتي وسنة الخلفاء من بعدي وقال عليه السلام من سن سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها إلى يوم القيامة ومن سن سنة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمل بها إلى يوم القيامة. (الترمذي، حديث ٢٦٧٥، ابن ماجه، حديث ٢٠٧، والدارمي (١/ ١٣١)، وأحمد (٤/ ٣٦١ و٣٦٢)، والطبراني(٢/ ٣٥٧).

یعنی اس طرح سنت کا لفظ بھی ہے کہ جب صحابی سنت کا لفظ کہے تو اس سے سنت نبوی مراد نہیں ہوتی، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء من بعدي" یااس حدیث میں "من سن سنة حسنة فله اجرها" آگے لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام کی عادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مراد لینا چاہتے ہیں تو وہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

وقد ظهر من عادة الصحابة التقييد عند إرادة سنة رسول الله عليه السلام بالإضافة إليه على ما قال عمر لصبي بن معبد هديت لسنة نبيك. (رواه أبو داود حديث ١٧٩٨، البيهقي (٤/ ٣٥١-٣٥٤)، (١/ ٢٥٨)". [۱۹]

مفتی محمد ولی صاحب درویش رحمہ اللہ کی اس وضاحت سے بخوبی واضح ہو گیا کہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے مطلق سنت کہہ دینے سے سنت نبوی ہونا ہر گز ثابت نہیں ہوتا۔

(۲) حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمہ اللہ کی تقریرِ بخاری شریف (جس کے مرتب مفتی حسین احمد صاحب پالنپوری ہیں) بنام تحفۃ القاری میں ہے کہ:

" صحابہ کرام اپنے مجتہدات کے لیے بھی لفظ سنت استعمال کرتے تھے... پس لفظ سنت سے ایسا سمجھنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ میں فاتحہ پڑھی ہے، صحیح نہیں، ہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیانِ جواز کے لیے پڑھی ہے"۔ [۲۰]

گزارش (۱۱):

خط نمبر (۶) جس کا عنوان ہے "مجتہد فیہ مسائل میں نکیر" میں مرتّب وسائل نے حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ سے منسوب موصول شدہ پیغام میں کتابچہ کے (ص: ۳۲) پر یہ نقل کیا ہے کہ "حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک داڑھی کاٹنا یا منڈوانا مکروہ تنزیہی ہے" جبکہ حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ

۱۹) کتاب "جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت ہے؟" (ص: ۶ تا ۱۱)، طبع درج نہیں۔
۲۰) تحفۃ القاری (۴/ ۹۱)، ط/ مکتبہ حجاز دیوبند ضلع سہارنپور (یو، پی)، سن اشاعت: ۱۴۳۴ھ۔

نے جواب میں ان الفاظ سے ان کی اپنی طرف نسبت کی تغلیط کی ہے ''البتہ داڑھی کے بارے میں جو بات نقل کی ہے، وہ میں نے اس جزم کے ساتھ نہیں کی، جیسی نقل کی گئی ہے، بلکہ یہ عرض کیا ہے کہ یہ امر قابل تحقیق ہے'' تو اس بارے میں مفید معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ کے ہی ایک اور پرانے مکتوب کی عبارت پیش کر دیں، جو کہ اس مفید علمی مکتوبات کے مکتوب سے تقریباً آٹھ سال پرانا ہے اور ادارہ غفران راولپنڈی کے مفتی محمد رضوان صاحب حفظہ اللہ کی کتاب ''ڈاڑھی کا شرعی حکم'' میں شائع شدہ بھی ہے، مکتوبِ قدیم میں کچھ یوں ہے:

''ایک شافعی عالم کا مقالہ نظر سے گزرا تھا، جس میں انہوں نے ثابت کیا تھا کہ شافعیہ کے یہاں ''قطع مادون القبضۃ'' مکروہ ہے، اور شافعیہ کے یہاں مکروہ جب مطلقًا بولا جائے، تو تنزیہ پر دلالت کرتا ہے''۔ [۲۱]

اس خط کو نقل کر لینے کے بعد مفتی رضوان صاحب حفظہ اللہ حاشیہ میں رقمطراز ہیں کہ:

''حضرت موصوف کے حکم کے مطابق ہم نے امام شافعی رحمہ اللہ کے موقف پر غور کیا تو ہمیں ''قطع مادون القبضۃ'' کا مکروہِ تنزیہی ہونا راجح معلوم نہیں ہو سکا، بلکہ حاشیۃ الشروانی وغیرہ سے عند الشافعی اس کی حرمت کا راجح ہونا معلوم ہوا۔

البتہ ''قطع ما فوق القبضۃ'' کو شوافع میں سے امام نووی رحمہ اللہ مکروہ تنزیہی قرار دیتے ہیں''۔ [۲۲]

---

۲۱) ڈاڑھی کا شرعی حکم (ص:۲۸۱)، ط/ ادارہ غفران راولپنڈی، سن اشاعت: ۱۴۳۴ھ۔

۲۲) ڈاڑھی کا شرعی حکم (ص:۲۸۱)، حاشیہ نمبر (۱) ط/ ادارہ غفران راولپنڈی، سن اشاعت: ۱۴۳۴ھ۔

اس حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی رضوان صاحب حفظہ اللہ کو یہاں حضرت مفتی تقی صاحب حفظہ اللہ کی بات سمجھنے میں کچھ تسامح ہوا ہے کہ مفتی تقی صاحب حفظہ اللہ نے خط میں جو عبارت ''شافعیہ کے یہاں ''قطع ما دون القبضۃ'' مکروہ ہے'' استعمال کی ہے وہ بتلاتی ہے کہ حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ شافعیہ کا مُفتیٰ بہ قول نقل فرمارہے ہیں جبکہ مفتی رضوان صاحب یہاں اس بات کی نفی فرماکر امام شافعی رحمہ اللہ سے حرمت کا قول نقل فرمارہے ہیں اور پھر مزید یہ کہ مفتی رضوان صاحب نے اس حرمت والے قول کو راجح بھی قرار دے دیا جبکہ حرمت والے نصوص میں کوئی ایک نص بھی امام شافعی رحمہ اللہ سے ثابت نہیں ہے۔

یادرہنا چاہیے کہ امام کے ہر قول پر فتوی نہیں ہوا کرتا، تو یہاں بھی شافعیہ کے ہاں فتوی امام شافعی رحمہ اللہ سے منسوب حرمت والے قول پر قطعا نہیں ہے، اور یہی بات حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب حظہ اللہ نے ثبت فرمائی ہے، کہ پرانے خط میں تو از خود اسے شافعیہ کے مذہب کے طور پر نقل فرمایا ہے، لیکن بعد کے ''مفید علمی مکتوبات''میں شامل خط میں امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف مکروہ تنزیہی کے قول کی اپنی طرف نسبت کی تغلیط فرمائی ہے۔

تحقیقِ مسئلہ مذکورہ میں مختصراً کچھ باتیں بھی ملاحظہ فرمایئے:

(امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک داڑھی کاٹنے کا حکم

اور متاخرین شوافع کے نزدیک اس کا حکم)

امام شافعی رحمہ اللہ کا صریح حرمت کا قول تو اس بارے کہیں موجود نہیں ہے البتہ شافعیہ کے ہاں رافعی رحمہ اللہ ونووی رحمہ اللہ کے بعد بڑے محقق فقیہ شیخ ابن الرفعۃ رحمہ اللہ سے یہ بات نقل کی جاتی ہے کہ انہوں نے حاشیۃ

الکفایۃ میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب الأُمّ میں حرمت کی تصریح فرمائی ہے، علامہ شروانی رحمہ اللہ «تحفة المحتاج» کے حاشیہ میں ابن رفعۃ رحمہ اللہ کی یہ تصریح کھ یوں نقل فرماتے ہیں: "واعترضه ابن الرفعة في حاشية الكافية بأن الشافعي -رضي الله تعالى عنه- نص في الأم على التحريم".[٢٣]

لیکن شافعی محققین حضرات نے یہ بات صراحت سے لکھی ہے کہ یہ حرمت کی تصریح کتاب الأُم میں کہیں بھی نہیں، البتہ ابن الرفعۃ جس عبارت «وهو وإن كان في اللحية لا يجوز» سے حرمت کے مفہوم کو اخذ فرمارہے ہیں وہ عبارت عدم جواز کا پتہ تو دیتی ہے جو کہ حرمت وکراہت دونوں کی متحمل ہے تو حرمت کی تعیین کس بنیاد پر کرلی گئی یہ بات قابل غور ہے، اور ابن الرفعۃ رحمہ اللہ کے ساتھ کئی اور شافعی فقہاء بھی حرمت کے قائل ہیں۔

البتہ متاخرین شافعیہ کے ہاں مُفتی بہ قول مکروہ تنزیہی کا ہی ہے جیسا کہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ وضاحت سے لکھتے ہیں کہ: «ونحوها خصالا مكروهة منها نتفها وحلقها».[٢٤]

شافعیہ کے ہاں اس مسئلہ کے بارے مزید نصوص وتحقیق کی مراجعت کے لیے حَضَرَمَوْتُ یمن کی جامعۃ الاحقاف کی قسم الفقہ واصول الفقہ کے رئیس ڈاکٹر امجد رشید المقدسی کا رسالہ «حكم حلق وتقصير اللحية عند الشافعية» اور نیٹ

---

٢٣) «تحفۃ المحتاج» (٩/٣٧٦)، ط/ دار إحياء التراث العربي۔

٢٤) «تحفۃ المحتاج» (٩/٣٧٦)، ط/ دار إحياء التراث العربي۔

پر موجود شافعی عالم أحمد بن سعد الأزہری کا مضمون «تحقيق مذهب الشافعية في حلق اللحية و الأخذ منها» مطالعہ فرمایئے۔

اسی پر ہم اپنی گزارشات کو ختم کرتے ہیں، اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

آمین بجاہ النبي الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ محمد محسن کمبوہ

۲۴/ربیع الثانی/۱۴۴۳ھ = ۳۰/نومبر/۲۰۲۱م